مولانا روم اور شمس تبریز کے بارے میں ایک ناول

ہزار داستان

مستنصر حسین تارڑ

tarar@naibaat.com

افغان ناول نگار خالد حسینی کا تازہ ترین ناول ''پہاڑوں کی گونج'' پڑھتے ہوئے مجھے مولوی غلام رسول عالم پوری کا ''قصہ یوسف زلیخا'' یاد آ گیا..... میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں اپنی ہی مادری زبان پنجابی کے وسیع ذخیرۂ الفاظ سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا اس کے باوجود مولوی صاحب کی قادر الکلامی نے مجھ پر گہرا اثر کیا..... میں سمجھتا ہوں کہ پنجابی کسی طور عربی یا فارسی سے ایک زبان کے طور پر کمتر درجے پر فائز نہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو حافظ برخوردار اور وارث شاہ کا قصیدہ بردہ کا پنجابی ترجمہ ملاحظہ کیجیے بلکہ دور کیا جانا صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے غالب کی جس فارسی غزل کو پنجابی روپ دیا ہے..... یعنی 'میرے شوق دائیں اعتبار تینوں' اسے پرکھ لیجیے۔ بہرطور مولوی غلام رسول ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے بیشتر کلاسیکی شعراء کو بھی سات دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب پہلی بار حضرت یوسف کا حسن بیان کرتے ہیں تو صفحے کے صفحے خوبصورت اور انوکھی تشبیہات سے نکھارتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جب دوسری بار حضرت یوسف کا تذکرہ آتا ہے تو سراسر نئی لفاظی کے ساتھ حیران کرتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب کوئی آٹھویں بار حضرت یوسف کا بیان آیا تو میں نے دل میں کہا کہ مولوی جی اب کیا کرو گے حسن کے سب استعارے اور تشبیہیں تو تمام ہو چکیں۔ لفظ ختم ہو چکے اب کیا کرو گے لیکن مولوی صاحب نے ایک مرتبہ پھر لفظ کی خوبصورتی کے دریا بہا دیئے۔ وہ نئی لفاظی تخلیق کرنے پر قادر تھے۔ ہندوستانی پنجاب میں اُن کی جائے پیدائش سکھوں کے لیے ایک مقدس نام ہے اور وہاں مولوی غلام رسول عالم پوری یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے۔ وہ اتنی بڑی شخصیت تھے۔ بات ذرا دور نکل گئی۔ خالد حسینی بھی منظر کو عبداللہ حواس کھو چکا ہے، کسی کو پہچانتا نہیں اور پری مکمل طور پر فرانسیسی ہو چکی ہے بوڑھی ہو چکی ہے تو خالد اس ملاقات کو کیسے بیان میں لاتے ہیں۔ کیسے ان دونوں کے جذبات کی ترجمانی کریں گے اور یہ قصہ پڑھتے ہوئے آنکھوں میں ایک نم اداسی تیرنے لگتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ''پہاڑوں کی گونج'' خالد کا سب سے اعلیٰ تخلیقی شاہکار ہے۔ انگریزی میں لکھنے والے ہمارے خطوں کے ناول نگار اپنے پہلے ناول کی مغرب میں قبولیت کے لیے بے شمار مفاہمتیں کرتے ہیں لیکن جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو اُن میں سے کچھ اپنے ضمیر کی آواز پر دھیان دینے لگتے ہیں اور اُن کے اگلے ناول قدرے مختلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً محسن حمید کے ''ماتھ سموک'' کے بعد ''دے ریلکٹنٹ فنڈامنٹلسٹ'' اور اب خالد حسینی کا ''پہاڑوں کی گونج'' البتہ لاہور کی بپسی سدھوا نے کبھی مفاہمت نہیں کی۔ وہ شروع سے ایک پاکستانی اور لاہوری ثقافت کی کسی بھی احساس کمتری کے بغیر نمائندگی کرتی چلی گئی ہیں ''کوے کھانے والے'' اس کی بہترین مثال ہے..... اور اگر ہم بدترین مثال کی تلاش کریں تو اس تمغے کا بہترین حقدار وی۔ ایس نائپال ہے جو اپنے آپ کو انگریز کہلانا پسند کرتا ہے۔ اگرچہ وہ ویسٹ انڈیز کا رہنے والا ایک ہندوستانی نژاد ناول نگار ہے۔ اسلام دشمنی اور مشرق دشمنی میں اس کا کوئی ثانی نہیں اور ہم مجبوراً بھی اس کی عزت نہیں کر سکتے کہ ماشاءاللہ سے اس شفق کا ''محبت کے چالیس اصول'' نام کا ہے۔ اس سے پیشتر میں نے اس کا ناول ''باسٹرڈ آف استنبول'' کتابوں کی دکانوں میں دیکھا تھا لیکن مجھے اس کا عنوان عجیب سا لگا تھا..... چند روز پیشتر میری تحریروں کو پسند کرنے والی ڈاکٹر نازش نے کراچی سے مجھے یہ ناول یعنی ''محبت کے چالیس اصول'' اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ تارڑ صاحب اسے ضرور پڑھیے۔ یہ شفق صاحبہ بھی ترکی سے زیادہ دیار غیر میں رہتی ہیں لیکن انہوں نے پاکستان یا ہندوستانی نژاد انگریزی میں ناول لکھنے والوں کی مانند اپنی ثقافت اور شناخت کو بھلایا نہیں اور یہ ناول اس رویے کی شاندار مثال ہے۔ اگرچہ اس کا تخلیقی اظہار اور زبان پر عبور ندیم اسلم اور خالد حسینی کی برابری نہیں کر سکتا لیکن وہ کہانی کی بنت کے فن سے آگاہ ہے۔ کہانی مختصراً کچھ یوں ہے کہ ایک درمیانی عمر کی امریکی شادی شدہ خاتون اپنے دو بچوں اور نظرباز خاوند کے ہمراہ ایک ہموار اور گھریلو زندگی ہنسی خوشی گزار رہی ہے۔ چونکہ وہ ادب کی طالبہ رہی ہے اس لیے وہ ایک ناشر کے ہاں ایک سکرپٹ ایڈیٹر کے طور پر ملازمت کر لیتی ہے۔ ناشر اُسے ایک ناول ''سویٹ بلاسفیمی'' کا مسودہ ارسال کرتا ہے کہ اسے پڑھ کر اپنی رائے دو کہ یہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں اور اس کا ادبی معیار کیا ہے۔ وہ اسے پڑھنا شروع کر دیتی ہے۔ ناول مولانا جلال الدین رومی کی حیات کے ان دنوں کی تفصیل بیان کرتا ہے جب ان کی ملاقات